تحریک پاکستان اور علمائے اہل سنت

تحریر۔قاضی عبدالنبی کوکب (مرحوم)
(سابق لائبریرین، پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاک و ہند کے مسلمانوں کی تاریخ میں ایک نمایاں امتیاز یہ پایا جاتا ہے کہ ان کی سیاسی تحریکات میں اثر اور قوت کا سرچشمہ ان کے دین اور عقیدے میں مضمر رہا ہے، گو دیگر عالم اسلام کی سیاسی تاریخ کا مزاج بھی اس سے مختلف نہیں، تاہم ملت اسلامیہ ہند کے مسئلے میں مذکور محرک کو بے حد اہم شمار کرنا پڑتا ہے، تحریک پاکستان کے آخری سالوں میں قائد اعظم محمد علی جناح نے تحریک کو اسی مزاج کا حامل بنایا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے مسلم لیگ کمرے کی سیاست سے نکل کر پورے پاک و ہند کے مسلم عوام کی سیاست ملی کا مرکز و محور بن گئی اور ملت کے سواد اعظم کی دینی و اعتقادی رہنمائی کرنے والے علماء و مشائخ مسلم لیگ کے نقیب اور تحریک پاکستان کے سرگرم مبلغ بن گئے۔

اعتقادی و فقہی مسلک کے اعتبار سے یہ علماء و صوفیا گروہ احناف سے تعلق رکھتے تھے تحریک پاکستان اور مسلم قومیت کے نظریے کی حمایت واشاعت کے سلسلے میں ان دینی رہنماؤں کی مساعی ہماری تاریخ ملی کا ایک ناگزیر حصہ ہیں، یہ الگ بات ہے کہ ابھی تک اس گوشہ موضوع پر پورے طریقے سے مربوط اور جامع کام نہیں کیا جاسکا، فقہ حنفی کا مزاج ایک خاص طرح کے اعتدال و توازن پر مشتمل ہے، ایک طرف امام اعظم کا یہ فرمان دیکھئے کہ :

اذا صح الحدیث فھو مذھبی

''جب حدیث اپنی صحت کے معیار پر پوری اُترے تو وہی میرا مذہب ہے''

دوسری جانب اجتہاد اور بصیرت دینی سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے، دونوں طرف کی انتہاپسندی سے ہٹ کر فقہ حنفی دلیل منقول و معقول کے درمیان اپنا راستہ بناتی ہے، یہ راستہ کتاب و سنت کے عین مطابق ہونے کے ساتھ ہر دور میں بہترین اور قابل عمل بھی ثابت ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ اُمت کا سواد اعظم اسی طریق سے وابستہ رہا ہے، علمائے اہل سنت اور صوفیائے کرام کو جب کبھی سیاسی تحریکات میں کام کرنا پڑا، انہوں نے یہاں بھی اپنے مزاج اعتدال و توازن کو برقرار رکھا، پاک و ہند کی تحریک آزادی کے تناظر میں مسلم زعماء کا ایک گروہ ہندو کا مخالف مگر انگریزی اقتدار و تہذیب کے معاملے میں نرم رویہ رکھتا تھا اور دوسرا گروہ انگریز کے خلاف شدید نفرت کا اظہار کرتا، تاہم

ہنود کے ساتھ ربط و اتحاد کا حامی و داعی تھا، پہلے گروہ کی نمائندگی علی گڑھ اور دوسرے کی دیوبند اور نیشنلسٹ علماء کے پاس تھی، ان دونوں انتہاؤں کے درمیان احناف کے مدرسہ سے اعتدال کی ایک صدا بلند ہوتی تھی کہ مسلم قوم اپنا مستقل سیاسی وملی وجود رکھتی ہے، اسے فرنگیوں یا ہندوؤں میں جذب ہونے سے بچنا چاہئے، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے ممتاز خلیفہ مولانا سلیمان اشرف بہاری نے ۱۹۲۰ء کے قریب اپنی تالیف ''الرشاد'' میں یوں اظہار خیال کیا تھا :

'' مسلمانوں کی انتہائی بدقسمتی یہی ہے کہ کسی غیر قوم کی طرف اس غرض سے بڑھتے ہیں کہ اپنی حیات دنیا سنوارنے کا طریقہ اس سے سیکھیں لیکن اس سے پیشتر کہ ان اسباب ووسائل پر انہیں دسترس ہو دین ومذہب پہلے کھو بیٹھتے ہیں، مسلمانوں کا ایک عہد عیسائیت کے ساتھ تعشق و شیفتگی کا تھا، مسلمان ہمہ تن اس میں حلول وجذب ہوجانے کے لئے بے تاب تھے، لیڈرانِ قوم نے اس وقت نہایت بلند آہنگی سے یہ صور پھونکا تھا کہ اگر باعزت وحرمت دنیا میں رہنا چاہتے ہو تو یورپ میں جذب ہو جاؤ...... اَب چند سال سے ایک نیا دور شروع ہوا مسلمانوں نے دوسری کروٹ بدلی تو اس کی تلاش شروع ہوئی کہ اس مرتبہ کس قوم میں مل کر فنائے کلی کا مرتبہ حاصل کیا جائے تاکہ رہی سہی علامت اسلامی بھی مٹ جائے، بارے اس مرتبہ زیادہ سرگردانی کی نوبت نہ آئی پاس ہی ملک میں ایک ہمسایہ قول مل گئی نہایت اطمینان سے اس میں جذب ہونا شروع ہوگئے...... اس دورِ جدید میں ہندوؤں کے لئے وہی باتیں کی جارہی ہیں، مذہب کا بہت بڑا حصہ یورپ پر سے نچھاور کیا جا چکا تھا جو باقی تھا وہ نہایت فیاضی سے ''ایک شریف قوم'' نے پہلے ہی قدمِ اتحاد پر قربان کردیا...... کہ اہل ہنود نے زبانی ہمدردی مسئلہ خلافت میں مسلمانوں سے ظاہر کی ہے'' ۔

(پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف، سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ''الرشاد''، مطبوعہ مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ کالج ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء، ص ۱۹-۲۰)

مولانا سیّد سلیمان اشرف بہاری، میرداد ضلع پٹنہ (بہار۔ ہندوستان) کے رہنے والے تھے، وہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں دینیات کے پروفیسر مقرر ہوگئے تھے، پروفیسر رشید احمد صدیقی (سابق صدر شعبہ اُردو، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) ان کے تلامذہ میں تھے، صدیقی صاحب اپنے استاد کی شخصیت سے کافی متاثر تھے، انہوں نے اپنی مشہور تالیف ''گنج ہائے گرانمایہ'' میں مولانا سیّد سلیمان اشرف پر بھی تاثراتی خاکہ لکھا ہے :

(پروفیسر رشید احمد صدیقی، گنجہائے گرانمایہ، مطبوعہ آئینہ ادب، چوک مینار، انارکلی لاہور، ۱۹۶۷ء، ص ۲۳ تا ۴۷)

مولانا سیّد سلیمان اشرف نے تحریک خلافت اور ترک موالات کے زمانے میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے متعدد کتابیں تالیف کیں، جن میں ''النور'' (مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ سے ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی اور اَب حال ہی میں اگست ۲۰۰۸ء میں ادارہ پاکستان شناسی، ۲۴/۲، سوڈھیوال کالونی لاہور نے بہت خوبصورت انداز میں شائع کیا ہے)، ''البلاغ'' (مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہوئی) اور ''الرشاد'' (مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ کالج ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں شائع ہوئی، پاکستان میں ادارہ پاکستان شناسی، ۲۴/۲، سوڈھیوال

کالونی لاہور نے ۱۹۸۱ء میں شائع کیا) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولانا سیّد سلیمان اشرف کی سیاسی آرا کیسی درست اور ان کی بصیرتِ ملّی کیسی گہری تھی، اس کے لئے پروفیسر رشید احمد صدیقی کے الفاظ ملاحظہ ہوں :

''۱۹۲۱ء کا زمانہ ہے، نان کوا پریشن (ترک موالات) کا سیلاب اپنی پوری طاقت پر ہے ''گائے کی قربانی'' اور ''موالات'' پر بڑے بڑے جید اور مستند لوگوں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے...... کہتے تھے رشید! علماء کس طرح لیڈروں کا کھلونا بنے ہوئے ہیں اور لیڈروں نے مذہبی اصول اور فقہی مسائل کو کیسا گھروندا بنا رکھا ہے...... بالآخر مولانا نے ان مباحث پر قلم اُٹھایا اور دن رات قلم برداشتہ لکھتے رہے، اکثر بٹھا کر سناتے اور رائے طلب کرتے، میں کہتا مولانا میری مذہبی معلومات اتنی نہیں ہیں کہ میں محاکمہ کرسکوں، آپ جو کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہوں گے، کہتے یہ بات نہیں ہے، تم پر اس ہڑ گم کا اثر ہے اور سمجھتے ہو کہ یہ تمام علماء جو کچھ کہتے ہیں وہ ٹھیک ہے اور میں کالج کا مولوی یوں ہی ہانکتا ہوں یہ بات نہیں ہے ہم تم زندہ ہیں تو دیکھ لیں گے کون حق پر تھا اور کون ناحق پر، سیلاب گزر گیا جو کچھ ہونے والا تھا وہ بھی ہوا لیکن مرحوم نے اس عہد سراسیمگی میں جو کچھ لکھ دیا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت وہی تھی، اس کا ایک ایک حرف صحیح تھا، آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ پر قائم ہے، سارے علماء سیلاب کی زد میں آچکے تھے صرف (سلیمان اشرف) مرحوم اپنی جگہ پر قائم تھے اس کا اعتراف کسی نے نہ کیا اور نہ کبھی مولانا نے کہا کہ میں نے یا آپ نے مولانا کی اس خدمت اور قابلیت کا اعتراف کیوں نہیں کیا''۔

(رشید احمد صدیقی: گنجہائے گرانمایہ ،ص ۲۹ تا ۳۱)

یہ مولانا سلیمان اشرف علمائے احناف کی اس ٹیم کے ایک ممبر تھے، جو احناف ہند کے عظیم پیشوا مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز نے نیشنلسٹ علماء کے مقابلے کے لئے تیار کی تھی اس جماعت کا نام جماعت مبارکہ رضائے مصطفےٰ رکھا گیا تھا، مولانا سلیمان اشرف کے علاوہ مولانا شاہ حامد رضا خاں (حجۃ الاسلام)، مولانا امجد علی اعظمی (صدر الشریعۃ) اور مولانا سیّد نعیم الدین مراد آبادی (صدر الافاضل) بھی اس جماعت کے ارکان تھے۔

(قاضی عبدالنبی کوکب: تحریک پاکستان کی گمشدہ کڑیاں، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۸ راگست ۱۹۶۸ء)

رجب ۱۳۳۹ھ (۱۹۲۰ء) میں جمعیۃ العلمائے ہند نے بریلی شہر میں اپنا جماعتی جلسہ رکھا، اس جلسے کے اشتہارات میں ظاہر کیا گیا تھا کہ جمعیۃ العلمائے ہند اس جلسے کے ذریعے سے اپنے مخالفین (دو قومی نظریہ کے حامی) پر حجت تمام کرنا چاہتی ہے اور اپنا موقف واضح کر کے لوگوں کو شمولیت اور تعاون کی دعوت دینا چاہتی ہے، ضروری تھا کہ اس پراپیگنڈے کے مقابلے پر کچھ جوابی کاروائی کی جاتی، اس وقت جمعیۃ العلمائے ہند کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد تھے، جلسے میں مرکزی تقریر انہی کی ہونی تھی، اس موقع پر جماعت رضائے مصطفےٰ کی طرف سے جمعیۃ العلمائے ہند کے صدر اور ناظم کے نام مناظرے کا دعوت نامہ ارسال کیا گیا، اس دعوت نامے پر مولانا سلیمان اشرف کے بھی دستخط تھے، پہلے تو جمعیۃ العلمائے ہند کے رہنماؤں نے براہ راست مولانا احمد رضا خاں سے مناظرہ طلب کیا، مگر بعد میں مناظرے

کی صورت یہ قرار پائی کہ جماعت رضائے مصطفےٰ کی طرف سے مولانا سلیمان اشرف اور جمعیۃ العلمائے ہند کی طرف سے مولانا ابوالکلام آزاد مقرر ہوئے، مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے اس مناظرے کی مفصل روئداد شائع کردی تھی، (اس کا ایک ایڈیشن رجب ۱۴۰۰ھ/مئی ۱۹۸۰ء میں مکتبہ رضویہ، سوڈیوال کالونی، لاہور سے شائع ہوا۔خلیل رانا)۔

(قاضی عبدالنبی کوکب: تحریک پاکستان کی گمشدہ کڑیاں، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۸/اگست ۱۹۶۸ء)

اس روئداد کی رو سے مناظرے میں مولانا سلیمان اشرف کا پہلو غالب رہا، جمعیۃ العلمائے ہند کا جلسہ مناظرے میں گم ہو کر بے اثر ہو گیا۔

مولانا سلیمان اشرف، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی شخصیت اور ان کے افکار سے بے حد متاثر تھے، ڈاکٹر عابد احمد علی نے اپنے ایک مضمون میں فرمایا:

"مجھے مولانا سلیمان اشرف سے تلمذ کے علاوہ ان کا انتہائی قرب بھی حاصل رہا اور میں دیکھتا کہ وہ اکثر حضرت مولانا بریلوی کا ذکر چھیڑ دیتے...... غیر اسلامی شعار کی مذمت میں تشدد، کانگرس اور ہندوؤں کی ہم نوائی کرنے والے لیڈروں اور عالموں کے متعلق سخت گیر رویہ، مشرکین کو نجس سمجھنا اور ان کے معاملے میں کسی قسم کی مداہنت روا نہ رکھنا، یہ سب صفات دونوں بزرگوں میں مشترک تھیں...... کانگرس اور گاندھی کے خلاف شدید مذمت اور بیزاری کا رویہ جس طرح حضرت مولانا بریلوی نے اختیار کیا تھا بعینہ وہی چیز سیّد صاحب (مولانا سلیمان اشرف) میں بھی پائی جاتی تھی"۔

(مقالات یوم رضا، حصہ سوم، مطبوعہ رضا اکیڈمی دائرۃ المصنفین، اُردو بازار لاہور، ص ۹، ۱۰)

مولانا سلیمان اشرف نے اپنے ملی و سیاسی افکار میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ہی سے ذہنی رہنمائی حاصل کی تھی اور ان کی تالیفات فاضل بریلوی کی معرکہ آرا کتاب "المحجة المؤتمنه" کے ساتھ ہم نوا اور اس سے مستفاد تھیں، المحجة المؤتمنه دراصل اس دور کی وہ عظیم کتاب تھی جس نے ہندو مسلم اتحاد اور مسلم قومیت جیسے اہم مسائل سے مفصل اور مدلل بحث کر کے مسلمانوں پر صحیح راستہ روشن کر دیا۔

(مقالات یوم رضا، حصہ اول، ص ۹۸)

مذکورہ دور میں جس طرح بریلی سے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے کلمہ حق بلند ہو رہا تھا، اسی طرح اِدھر شمالی مغربی ہند (موجودہ پاکستان و کشمیر) میں قطب العارفین حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور امیر ملت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری ملت اسلامیہ ہند کو ہنود کی سازشوں سے آگاہ کر رہے تھے، یہ ہر دو شیوخ طریقت، گروہ احناف کے عظیم علماء اور سواد اعظم کے محبوب دینی و ملی رہنما متصور ہوتے تھے، پیر صاحب گولڑوی نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے ایک استفسار کے جواب میں ہندو مسلم اتحاد اور کانگرس میں مسلمانوں کی شمولیت کو ممنوع فرمایا تھا، پیر صاحب گولڑوی کے ایک سوانح نگار لکھتے ہیں:

"جب اہل ہند نے ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ بلند کیا، تو اس بے معنی اتحاد کے مخالفین میں آنجناب پیش پیش تھے، اس موضوع

پر آپ کا مفصل کلام مکتوبات مطبوعہ میں موجود ہے جو کہ لکھنؤ کے مشہور عالم مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے استفسار پر آپ نے تحریر فرمائی اور مسلمانانِ ہند کو شرعی طریقہ سے آزادی حاصل کرنے کا طریق کار متعین فرما کر انگریزوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہندوؤں سے گٹھ جوڑ کرنے کو شرعی لحاظ سے غلط ثابت کیا گیا چنانچہ تحریک کانگرس میں شمولیت کے متعلق آپ کا فتویٰ مکتوبات مذکور میں اَب تک موجود ہے، جس میں آپ نے تصریح فرمائی ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ شمولیت ہرگز درست نہیں"۔

(مولانا فیض احمد: مقدمہ تحقیق الحق فی کلمۃ الحق: ص ١٦)

پیر صاحب گولڑوی کی رائے محض ایک شخص کی رائے نہ تھی بلکہ ایک ایسے عظیم انسان کی رائے تھی جو اپنے دور میں ملت اسلامیہ کے عوام و خواص کے لئے یکساں طور پر عقیدت و احترام کا مرکز و محور تھا، تصوف کے بعض دقیق مسائل خصوصاً مسئلہ وحدت الوجود کی تفہیم کے سلسلے میں حضرت علامہ اقبال مرحوم نے آپ کی طرف بذریعہ خط رجوع کیا تھا، دراصل یہ ایسے عظیم دینی و روحانی پیشواؤں کی بروقت رہنمائی ہی تھی جو مسلمانانِ ہند کو تحریک خلافت کے طوفانی اور ہیجانی دور میں اس انجام سے بچا گئی جس سے گاندھی کی گہری سیاست انہیں دوچار کرنا چاہتی تھی۔

امیر ملت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہ العزیز، ملت احناف ہند کے وہ ممتاز روحانی قائد تھے جو نصف صدی سے زائد عرصے تک مسلمانوں کی سیاست ملی اور اصلاح و ارشاد کے میدانوں میں مسلسل سرگرم رہے، آپ جلالی اور تحریکی طبیعت کے مالک تھے، حرکت اور سرگرمی کی زندگی آپ کو زیادہ پسند تھی۔

(قاضی عبدالمصطفیٰ کامل: امیر ملت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری، (مضمون)، روزنامہ جمہور، لاہور، ١٢ر مئی ١٩٧٣ء)

مسئلہ خلافت کے ساتھ تمام مسلمانوں کو ہمدردی تھی، حنفی علماء اور صوفیا اسی موقف پر گامزن تھے، فاضل بریلوی اور دیگر اکابر احناف نے خلافت کی تائید و حمایت صراحت کے ساتھ کی تھی، ان بزرگوں کو تشویش اس بات پر تھی کہ اس موقع پر کانگرس ہندو مسلم اتحاد کی تخم ریزی نہایت خطرناک طریقے سے کر رہی تھی، پیر صاحب علی پوری نے تحریک خلافت کے ساتھ عملی تعاون کیا ہزاروں روپیہ کا فنڈ مہیا کیا، دورے کئے اور متعدد تاریخی اجتماعات کی صدارتیں کیں، وہ اپنے کام کا مزاج ایسا بنا دیتے جس سے مسلم قوم کی انفرادیت کو اُبھرنے میں مدد ملتی، ١٩٢١ء میں لائل پور ڈسٹرکٹ خلافت کانفرنس کی صدارت آپ نے فرمائی، خطبہ صدارت سے چند الفاظ ملاحظہ ہوں :

"......بعض اصحاب کہتے ہیں کہ میں نے خدمت خلافت میں حصہ نہیں لیا...... میں نے آج تک ساڑھے سترہ سو روپیہ اپنی جیب سے خدمت خلافت کے لئے پیش کیا ہے اور جو سرمایہ میرے یارانِ طریقت نے جمع کیا ہے وہ کئی لاکھ ہے...... مجھے سمرنا کے مظلومین سے اپنے ترک بھائیوں سے ہمدردی ہے، بحمد اللہ کہ میں مسلمان ہوں، باایمان ہوں، آلِ رسول ہوں...... مجھے ترکوں سے محبت ہے، اپنے خلیفۃ المسلمین سے عقیدت ہے، ایمان کس چیز کو کہتے ہیں، ایمان محبت رسول ﷺ کو کہتے ہیں، رسول پاک ﷺ سے جس قدر محبت ہوگی اس قدر ایمان کامل ہوگا...... آنکھیں کھولو! اپنے ایمان کی

استقامت کے لئے کوشش کرو، رسول پاک سے محبت کو بڑھاؤ، تم کوشش کرو گے تو مومن مسلمان بن جاؤ گے، کہا جاتا ہے کہ میں انگریز سے ڈرتا ہوں، میں ان کا طرفدار ہوں، اَب تم ہی بتاؤ میں نے ان کا کون سا خطاب قبول کیا، کون سی جاگیر حکومت سے قبول کی، کون سا تمغہ یا سند لی؟...... مجھے انگریزوں سے کیا ڈر...... مجھے انگریزوں کی خوشامد سے کیا واسطہ؟ میرا رازق میرا مالک خدائے برتر ہے، مسلمانوں کو خوشامد سے کیا نسبت؟ میں مسلمان ہوں ہوں، مسلمان کے گھر پیدا ہوا ہوں "۔

(پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری، خطبہ صدارت خلافت کانفرنس ضلع لائل پور، منعقدہ ۳، ۴ مارچ ۱۹۲۱ء)

تحریک خلافت میں کانگرسی عناصر یہ منصوبے رکھتے تھے کہ جوش میں بپھرے ہوئے مسلمانوں کو ہلاکت کی ایسی وادیوں میں پھینک دیا جائے کہ ان کی قوت اور سکت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے، ترک موالات کی اگلی صفوں میں بھی مسلمانوں کو لانے کی کوشش کی جارہی تھی، اور ہجرت کی تحریک تو کاملۃً مسلمانوں پر اثر انداز ہونے کو تھی، ترک موالات کے سلسلے میں فاضل بریلوی اور دیگر احناف کے فتوٰی نے مسلمانوں کو متنبہ کیا، تحریک ہجرت کا دائرۂ عمل زیادہ تر شمال مغربی ہند بالخصوص سرحد اور پنجاب کے متصل بہ سرحد علاقوں میں تھا، یہاں محدث علی پوری کی رہنمائی سے ملت کا سوادِ اعظم کانگرسیوں کے منصوبے کی حقیقت سے آگاہ ہو گیا، حضرت علی پوری کے ایک سوانح نگار لکھتے ہیں :

" کانگرس کو یہ موقع ہاتھ آیا کہ مسلمانوں کے جوش سے فائدہ اُٹھا کر انہیں قربانی کا بکرا بنایا جائے، انہوں نے خلافت کمیٹیوں سے تعاون کیا اور کانگرسیوں مولویوں نے فتوٰی دیا "ہندوستان سے ہجرت فرض ہے"۔

ہندوؤں کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان ہندوستان سے چلے جائیں یا جائیدادیں وغیرہ بیچ کر تباہ ہو جائیں، سابقہ سرحد کابل کے قریب تھی، اس لئے غیور اور جوشیلے سادہ لوح پٹھانوں میں زیادہ جوش تھا، قافلے دھڑا دھڑ تیار ہو کر کابل جارہے تھے۔

ایک وفد اعلیٰ حضرت (محدث علی پوری) رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا جو حضور قبلہ عالم سے رہتک میں ملا اور لاہور تک ہمراہ رہا، حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

" تمام مسلمانوں سے کہہ دو کوئی ہجرت نہ کرے، کوئی ہجرت نہ کرے! اگر ہجرت فرض ہے تو یہ مولوی خود کیوں نہیں کرتے، جب ہجرت فرض ہوگی، میں خود پہلے کروں گا، اور یہ ہجرت مدینہ منورہ کو ہوگی، جاؤ سب کو منع کر دو، چند دن میں دیکھ لوگے کہ اس تحریک کا حشر کیا ہوتا ہے؟

ابھی دو ہفتے نہ گزرے تھے کہ گئے ہوئے قافلے واپس آنا شروع ہو گئے ان کو کابل میں داخلہ کی اجازت نہ ملی، اِدھر جائدادیں بیچ چکے تھے، اُدھر جگہ نہ ملی"۔

(مولانا محمد فاضل: امیر ملت...... در ماہنامہ انوار الصوفیہ، قصور، اپریل، مئی ۱۹۶۱ء، ص ۵۷)

ہندو قیادت کے اصل ارادے اس حقیقت سے ظاہر ہو جاتے ہیں کہ تحریک خلافت اور ترک موالات کے جلو میں شدھی یعنی

مسلمانوں کو بجبر ہندو بنانے کی تحریک شروع کردی گئی، اس موقع پر بھی پیر صاحب علی پوری نے نہایت مجاہدانہ کام کیا، آریہ سماجی لیڈر شردھانند نے...... اعلان کیا کہ وہ ہندوستان کی نومسلم اقوام کو دوبارہ ہندو بنائے گا، یہ مسلمانوں کے لئے زبردست چیلنج تھا، امیر ملت نے اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے آگرہ میں پہنچ کر اپنا تبلیغی کیمپ قائم کیا اور وہاں سے مبلغین کی پارٹیاں ان مختلف علاقوں میں بھیجنی شروع کردیں، جس جگہ سے اطلاع ملتی کہ شردھانند کے چیلے وہاں پہنچے ہیں۔

(قاضی عبدالمصطفیٰ کامل: امیر ملت...... روزنامہ جمہور، لاہور، ۱۲ مئی ۱۹۷۳ء)

احناف کے علماء اور مشائخ نے اور ان کی قائم کردہ تبلیغی تنظیموں، مثلاً جماعت رضائے مصطفیٰ (بریلی)، جامعہ نعیمیہ مرادآباد، انجمن نعمانیہ لاہور اور انجمن خدام الصوفیہ نے شدھی کے زمانے میں باہم اشتراک سے تبلیغی جماعتوں کے وفود آگرہ میں پہنچتے تھے، نومبر ۱۹۲۴ء میں امیر ملت خود آگرہ تشریف لے گئے اور علاقہ ارتداد میں اکیس تبلیغی اجتماعات سے خطاب کیا، اسی موقع پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خلف اصغر مفتی اعظم ہند حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی اور صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی کے ساتھ بھی حضرت امیر ملت کی ملاقاتیں ہوئیں۔

(کلیم جماعتی مجددی: نقوش مبین (مضمون) در ماہنامہ انوار الصوفیہ، قصور، اپریل، مئی ۱۹۶۱ء، ص ۴۰)

مولانا عبدالحق حقانی (مؤلف تفسیر حقانی) کے برادر زادے حکیم محمد اسحاق حقانی نے ۱۹۲۳ء میں آگرہ سے مسلمانوں کو فتنۂ ارتداد کے مقابلے کے لئے دعوت تبلیغ دی تھی، انہوں نے جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی اور پیر صاحب علی پوری کے مبلغین کا خصوصی ذکر کیا تھا اور موخر الذکر کے مخلصانہ طریق کار کی بطور خاص تعریف کی تھی۔

(خلاصۃ العقائد و حیات حقانی، ص ۱۷۶)

۲۰۔۱۹۱۹ء سے ۲۶۔۱۹۲۵ء تک کا زمانہ تحریک خلافت، ترک موالات، ہجرت اور فتنۂ ارتداد جیسے طوفانوں کا زمانہ تھا اور یہی وہ دور تھا جس میں ملت مسلمہ اور ہنود کے درمیان مسلم قومیت اور ہندوستانی قومیت کی نظریاتی جنگ لڑی گئی، علمائے احناف نے اس جنگ میں اپنا وزن دوقومی نظریئے کے پلڑے میں ڈالا اور اس طرح انہوں نے کمال بصیرت سے کام لیتے ہوئے تحریک پاکستان کے لئے راستہ صاف کیا، اسی داستان کی کچھ جھلکیاں مختصراً اُوپر بیان کی گئیں ہیں۔

۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال کے خطبۂ الٰہ آباد سے مسلمانوں کی تحریک ایک نئے دَور میں داخل ہوئی، یہ دَور، وضاحت، تیقن اور منزل کے تعین کا دَور متصور ہونا چاہئے، اقبال نے مسلمانوں کے لئے جداگانہ قومیت اور جداگانہ وطن کی بات ایسے انداز میں کی کہ گویا گونگوں کو زبان مل گئی، ادھر کانگرس نواز حلقوں اور نیشنلسٹ علماء نے اقبال کی تجویز پر لے دے شروع کردی، اسی سلسلے میں جمعیۃ العلمائے ہند کے زعیم اور دیوبند کے رئیس مولانا حسین احمد مدنی (دیوبندی) کی طرف سے اقبال کے نظریہ قومی کی شدید تردید بلکہ مذمت کی گئی۔

علمائے احناف نے اس کشمکش میں علامہ اقبال سے ہم نوائی کرتے ہوئے مسلمانوں کے لئے جدا قومیت اور جدا وطن کی اعلانیہ تائید کی، مولانا نعیم الدین مرادآبادی، صدرالافاضل کا نام اُوپر آچکا ہے، آپ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تیار کردہ جماعت کے ایک

جواں سال مگر فاضل رکن تھے، فاضل بریلوی کے بعد مولانا مرادآبادی نے پیر صاحب علی پوری کی سرپرستی میں اپنا مشن جاری رکھا ہوا تھا، مولانا مرادآبادی کی نگرانی میں مرادآباد سے احناف اہل سنت کا ایک ترجمان ماہنامہ ''السوادالاعظم'' شائع ہوتا تھا، اس پرچے کے شعبان ۱۳۴۹ھ (۱۹۳۰ء) کے شمارے میں ادارتی کالموں میں حضرت علامہ اقبال کے خطبۂ مذکور سے بحث کرتے ہوئے یوں اظہار خیال کیا گیا :

'' ڈاکٹر اقبال کی رائے پر کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے، ایک حصہ ہندوؤں کے زیر اقتدار ہو، دوسرا مسلمانوں کے، ہندوؤں کو کس قدر اس پر غیظ آیا! یہ ہندو اخبارات دیکھنے سے ظاہر ہوگا، کیا یہ کوئی نا انصافی کی بات تھی، اگر اس سے ایک طرف مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہنچتا تھا تو ہندوؤں کو بھی اسی نسبت سے فائدہ ملتا......اس کو تو کون جانتا ہے کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور کرے گا اور مستقبل کیا صورتیں سامنے لائے گا، لیکن ہندو اس وقت خالی ایسی بات بھی نوک زبان پر لانے کے لئے تیار نہیں ہیں، جو مسلمانوں کو اچھی معلوم ہو، اس حالت میں بھی اگر کوئی مسلمان کہلانے والی جماعت ہندوؤں کا کلمہ پڑھتی ہے اور اپنی اس پرانی فرسودہ لکیر کو پیٹا کرے تو اس پر ہزار افسوس! کاش اس وقت یہ حضرات خاموش ہو جائیں اور کام کرنے والوں کو کام کر لینے دیں''۔

(مولانا عمر نعیمی، اداریہ ماہنامہ سواد اعظم، شعبان ۱۳۴۹ھ (۱۹۳۰ء)، ص ۱۴)

''قرارداد پاکستان کے لئے ۱۹۴۰ء کے تاریخی اجلاس لاہور میں سٹیج پر جو دینی رہنما موجود تھے، ان میں دو ممتاز حنفی علماء مولانا عبدالماجد بدایونی (مرحوم) اور مولانا عبدالغفور ہزاروی (مرحوم) شامل تھے، مولانا بدایونی نے قرارداد فلسطین کی تائید میں تقریر بھی کی تھی''۔

(pirzada sharifuddin,syed: the pakistan resolation and the historic lahore session, p59)

اِسی سال یعنی ۱۹۴۰ء کے شمارۂ اپریل میں ماہنامہ انوارالصوفیہ کے اوراق پر مسلم لیگ کی حمایت میں امیر ملت محدث علی پوری کا یہ اعلان شائع ہوا :

'' یہی ایک اسلامی جماعت ہے مسلمانو! سب اس میں شامل ہو جاؤ، کانگرس سے یہ توقع کرنا کہ وہ مسلمانوں کی حمایت کرے گی فضول ہے''۔

(ماہنامہ انوارالصوفیہ، شمارہ اپریل ۱۹۴۰ء، ص ۸۔ دوبارہ شائع شدہ در انوارالصوفیہ، قصور، شمارہ اپریل، مئی ۱۹۶۱ء، ص ۳۷)

۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ عامۃ المسلمین کے دلوں کی دھڑکن بن کر سیاست ملی میں اہم کردار ادا کر رہی تھی، اسی سال کے اواخر میں انتخابی مہم بھی درپیش آئی، کانگرس نواز عناصر اور پنجاب کے یونینسٹ مسلم لیگ کو نیچا دکھانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے، اس موقع پر پنجاب کے حنفی مشائخ کرام کی تائید سے مسلم لیگ کی انتخابی مہم کو بے حد تقویت ملی، اس سلسلے میں پیر صاحب علی پوری اور امیر حزب اللہ پیر صاحب جلال پوری کے فرمودات تو صراحت کے ساتھ ریکارڈ میں موجود ہیں، پیر صاحب جلالپوری امیر حزب اللہ کا حسب ذیل

اعلان ۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء کو شائع ہوا تھا :

"نہ صرف اپنے حلقہ نیابت میں اس امیدوار ہی کو ووٹ دینے چاہئیں جسے مسلم لیگ نے ٹکٹ دے کر کھڑا کیا ہو، بلکہ اپنے حلقہ اثر میں اسے کامیاب بنانے کے لئے اپنی تمام کوششیں وقف کردیں تا کہ ہم دنیا کے سامنے یہ ثابت کرسکیں کہ مسلمانوں کے اندر ابھی تک اسلام کے عروج وترقی اور مسلمانوں کی بہتری و برتری کے احساسات بدرجۂ اتم موجود ہیں، پہلے انتخابات کی طرح، اسمال قومی تعلقات، رشتہ داریوں کے سوالات اور دھڑا بندیوں کے قصے سامنے نہیں آنے چاہئیں بلکہ صرف ایک سوال کو عامۃ المسلمین کے لئے جاذب توجہ بنادیا جائے کہ کیا وہ ہندوستان میں انگریز کی غلامی سے آزاد ہو کر ہندو کی غلامی قبول کرنا چاہتے ہیں؟"۔

(ڈاکٹر عبدالغنی: امیر حزب اللہ، ص ۲۱۶)

اسی نومبر ۱۹۴۵ء میں پیر صاحب علی پوری کی طرف سے مسلم لیگ کی حمایت میں ایک بار پھر اعلان کیا گیا، اس کی صورت یہ بنی کہ نومبر کے آخری ہفتہ یا دسمبر کے اوائل میں پشاور میں "شریعت کانفرنس" کے عنوان سے بہت بڑا اجتماع ہوا، یہ مسلم لیگ کی حمایت کے لئے تھا اور پیر صاحب نے اس میں شمولیت فرمانی تھی، مگر آپ کی علالت کے باعث آپ کے صاحبزادے پیر محمد حسین علی پوری نے اس اجلاس میں شرکت کی، اس موقعہ پر روزنامہ شہباز لاہور نے ۲۰ نومبر ۱۹۴۵ء کو پیر صاحب علی پوری کی طرف منسوب کر کے یہ اعلان چھاپ دیا کہ" مسلمان اس کانفرنس میں شریک نہ ہوں" اس سلسلے میں پیر صاحب کا جواب کوہاٹ کے اخبار "ہمدم" میں شائع ہوا، اس کے چند الفاظ یہ ہیں :

"اخبار کا ایڈیٹر یہ نہ سمجھا، جب میں فتویٰ دے چکا ہوں کہ جو مسلمان مسلم لیگ کو ووٹ نہ دیوے، اس کا جنازہ نہ پڑھو، اور مسلمانوں کی قبروں میں دفن نہ کرو، پھر میں یہ کیسے لکھ سکتا ہوں...... فقیر اپنے فتویٰ کا دوبارہ اعلان کرتا ہے کہ جو مسلم لیگ کا مخالف ہے، خواہ کوئی ہو، اگر وہ مرجائے تو اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے"۔

("ہمدم" (اخبار)، کوہاٹ، ۱۲ دسمبر ۱۹۴۵ء۔ دوبارہ اشاعت در ماہنامہ انوار الصوفیہ، قصور، اپریل، مئی ۱۹۶۱ء، ص ۶۲، ۶۳)

تحریک پاکستان کے سلسلے میں منعقد ہونے والے جلسوں میں پیر صاحب علی پوری کے خطابات بالعموم ان فقروں پر مکمل ہوئے :

"مسلمانو! دو جھنڈے ہیں؛ ایک مسلمانوں کا اور دوسرا ہندوؤں کا، بتاؤ کس کے پرچم کے سایے میں رہنا چاہتے ہو؟"

(قاضی عبدالمصطفیٰ کامل : دو قومی نظریہ اور علمائے اہل سنت، ص ۱۳)

۱۹۴۶ء کا سال تحریک پاکستان کے لئے فیصلہ کن تھا، پاک و ہند کے ہر شہر و قریہ میں پاکستان کی جنگ لڑی جارہی تھی، تحریک کے موافقین اور مخالفین، دونوں ہی گروہ اپنے اپنے کام میں سرگرم تھے، جوش اور جذبات کا غلبہ تھا، نعروں کو واضح اور سرگرمیوں کو مربوط و منظم کرنے کے لئے علمائے احناف نے تمام مبلغین کو ایک عظیم الشان مرکزی اجتماع میں جمع کرلیا، یہ اجتماع اپریل ۱۹۴۶ء کے آخری ہفتے میں "آل انڈیا سنی کانفرنس" کے نام سے بنارس میں منعقد کیا گیا، بنارس میں حضرت صدر الافاضل مراد آبادی کے بعض مخلص احباب اور

حضرت امیر ملت علی پوری کے اکثر معتقدین کی ایک ایسی مخیّر جماعت موجود تھی جس نے اس عظیم تاریخی اجتماع کے ساتھ تعاون اور حُسن انتظام کی ایک عمدہ مثال قائم کی، بلا مبالغہ پاک و ہند کے گوشے گوشے سے حنفی (سنی بریلوی مکتب کے) علماء اور عوام مندوبین کی شکل میں اس کانفرنس میں جمع ہوئے، اس تاریخی ہفتے میں ہندوستان ریلوے کی وہ تمام ٹرینیں جو بنارس کی طرف جاتی تھیں سنی کانفرنس کے مندوبین سے بھری ہوتیں۔

اس کانفرنس کے سرپرست حضرت محدث علی پوری تھے، البتہ کام کی اکثر ذمہ داری حضرت صدر الافاضل پر تھی، مجلس استقبالیہ کے صدر حضرت سیّد محمد اشرفی محدث کچھوچھوی (قدس سرہٗ) تھے، ان کے خطبے سے چند الفاظ ملاحظہ ہوں:

"......سارے ملک کو تجربہ ہو چکا ہے کہ آوارہ تعلیم گاہوں کے طلباء نے قبلہ کی طرف سے منہ پھیر کر اپنی توجہاتِ تعبد کو راشٹر باپوں کی طرف پھیر لیا......مدرسین نے مکہ چھوڑا......صدر المدرسین نے مدینہ چھوڑا اور بالکل چھوڑا اور دشمنانِ حرمین سے رشتہ جوڑا، اَب قرآن شریف اس لئے پڑھایا جاتا ہے کہ مسلمانوں سے کوئی تعلق نہ رہے......کیسی ناپاک تعلیم ہے جو پاکستان کے تصور سے لرز اُٹھے، اور پاکستان میں جس کو اپنی زندگی محال نظر آئے، اسلامی تلوار کی آزادی میں اپنی موت معلوم ہو"۔

(سیّد محمد اشرفی کچھوچھوی، خطبہ استقبالیہ بنارس کانفرنس، مطبوعہ مراد آباد، ص ۱۵، ۱۶)

کانفرنس کا ایک خصوصی اجلاس ۲۹/اپریل ۱۹۴۶ء نو بجے صبح، اندرون باغ فاطمہ (بنارس) میں منعقد ہوا، اس اجلاس میں جملہ مشائخ و علمائے احناف کی طرف سے پاکستان کی تائید میں یہ قرارداد منظور کی گئی:

"آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس، مطالبۂ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہل سنت، اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں، جو قرآن کریم اور حدیث نبوی کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو"۔

(تحریک پاکستان کی چند گمشدہ کڑیاں (مضمون)، در روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۸/اگست ۱۹۶۸ء)

آل انڈیا سنی کانفرنس دراصل ایک ادارہ تھا، جس کے پیچھے علماء و مشائخ احناف کی تبلیغی و تحریکی سرگرمیاں جاری تھیں، اس کے اجلاس ۱۹۲۳ء تا ۱۹۴۶ء پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں منعقد ہوتے چلے آئے تھے اور اس سلسلے کی آخری کڑی مذکورہ بالا بنارس کانفرنس تھی، اس ادارے کے علاوہ احناف کی قائم کردہ دیگر بہت سی دینی، تبلیغی و تعلیمی تنظیمیں اور انجمنیں ایسی تھیں، جو تحریکِ خلافت کے دور سے لے کر تحریک پاکستان کے آخری سالوں تک اپنے اپنے انداز میں تحریک کے مقاصد کے لئے نہایت مفید کام کرتی رہیں، ان میں انجمن نعمانیہ ہند (لاہور)، انجمن خدام الصوفیہ ہند (سیالکوٹ)، انجمن حزب الاحناف (لاہور)، انجمن نعیمیہ (مراد آباد)، جمہوریت اسلامیہ (مراد آباد)، جماعت رضائے مصطفیٰ (بریلی) انجمن انصار الاسلام (مارہرہ) اور انجمن تبلیغ الاحناف (امرتسر) (اَب لاہور) جیسے چند معروف اداروں کے نام بطور مثال پیش کئے جا سکتے ہیں، ان کے ساتھ اور بہت سے ادارے بھی مصروف کار تھے۔

احناف کے دینی و تبلیغی پرچے بھی مثلاً ماہنامہ ''رسالہ'' انجمن نعمانیہ لاہور، ماہنامہ انوارالصوفیہ (لاہور، سیالکوٹ، قصور)، سواد اعظم (مرادآباد)، ادارہ الفقیہہ (امرتسر) وغیرہ بھی دوقومی نظریہ اور تحریک پاکستان کی نقابت وترجمانی کا کام انجام دیتے تھے، شخصیات میں سے بھی اس مضمون میں سر دست چند ہی لوگوں کے کام پر کچھ لکھا جاسکا ہے ورنہ علمائے احناف میں اوپر مذکور ہونے والے اصحاب کے علاوہ مولانا شاہ عبدالعلیم میرٹھی، علامہ عبدالغفور ہزاروی، علامہ ابوالحسنات قادری، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا عبدالستار خاں نیازی جیسے صد ہا رجال علم وفضل کی خدمات تحریک پاکستان میں اپنا مقام رکھتی ہیں۔

اسی طرح مشائخ احناف میں کچھوچھہ اور مارہرہ کے بعد پنجاب، سندھ اور سرحد کے کثیر مشائخ مثلاً پیران تونسہ شریف، وسیال شریف، پیران چورہ شریف، پیر صاحب بھرچونڈی شریف، پیر صاحب مانکی شریف، پیر صاحب مکھڈ شریف، پیر صاحب زکوڑی شریف اور پیر صاحب گولڑہ شریف جیسے اکابر کی کارگزاریاں ہماری اس تحریک ملّی کے روشن اوراق ہیں، اس سے اندازہ ہوگا کہ ابھی ہم نے اس عظیم داستان کی چند جھلکیاں ہی مختصراً پیش کی ہیں اور داستان کا بہت بڑا حصہ ابھی باقی ہے۔

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ تو آزردہ شوی، ورنہ سخن بسیار است